قربتِ مرگ میں محبت: مستنصر حسین تارڑ کے نسوانی کرداروں کا نفسیاتی و فکری مطالعہ

Qurbat-e-Marg Mein Mohabbat: A Psychological and Intellectual Study of the Female Characters in Mustansar Hussain Tarar's Novel

DOI: https://doi.org/**10.54692/**nooretahqeeq.**2025.09022355**

وسیم اقبال جبران

Waseem Iqbal Jabran
Assistant Professor Urdu
Army Public College Chinar Campus, Murree

Abstract:

Mustansar Hussain Tarar is a renowned and distinguished novelist in Urdu literature, widely acclaimed for his exceptional character development. While his novels feature compelling male protagonists, his portrayal of female characters is equally profound and nuanced. This article specifically focuses on the female characters in his novel Qurbat-e-Marg Mein Mohabbat. The women in this novel do not merely exist in relation to male characters; rather, they emerge as central figures in their own right. Their love is not rooted in physical desire but is characterized by emotional depth, mutual understanding, and a natural, unforced connection. At times, these women even seem to exert influence over their male counterparts. These portrayals reflect Tarar's intellectual maturity and his deep insight into feminine psychology.

Keywords: Tarar, Qurbat-e-Marg Mein Mohabbat, Female Characters, Feminine Psychology, Urdu Fiction, Death and Love, Feminist Perspective.

مستنصر حسین تارڑ اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ انھوں نے سفر نامہ نگاری کو اپنے منفرد اسلوب اور زاویہ نظر سے مقبول ترین صنف بنا دیا۔ وہ افسانہ نگاری اور کالم نویسی میں بھی بہترین تخلیقات پیش کر چکے ہیں۔ ان کے ناول اردو ادب کے اہم ترین ناولوں میں شامل ہیں جیسے بہاؤ، راکھ، قربتِ مرگ میں محبت ، خس و خاشاک زمانے اور اے غزالِ شب۔ ''قربتِ مرگ میں محبت''، ''بہاؤ'' اور ''راکھ'' کے بعد ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آیا۔ محبت کے جذبے کو آفاقیت حاصل ہے، مستنصر حسین تارڑ نے محبت میں عمر رسیدگی اور موت کی آمیزش کر کے کہانی کو ایک نئی جہت عطا کر دی ہے۔ عورت کو ایک پہیلی کہا جاتا ہے،

اس کے ذہن، جذبات اور نفسیات کی اتنی تہیں اور پرتیں ہیں کہ کسی حتمی رائے تک پہنچنا ممکن نہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے ہر ناول میں عورت کی جبلت اور نفسیات کی کوئی نئی پرت قاری کے ذہن پر منکشف ہوتی ہے۔ ان کے پیش کردہ نسوانی کردار بڑے جاندار، بھرپور اور کامل دکھائی دیتے ہیں۔

"قربتِ مرگ میں محبت" کا مرکزی کردار ایک انتہائی معروف فنکار اور ادیب ہے۔ ناول کے شروع میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہو کر دریائے سندھ میں اترتا ہے۔ وہ پے انگ گیسٹ کے طور پر ایک خاندان کے ساتھ رہائش اختیار کرتا ہے۔ اس خاندان میں ایک عورت پکھی نام کی ہے، اس کا شوہر سرور اور سرور کا ماما ہے اور پکھی کا ایک شیر خوار بچہ ہے۔ اس خاندان کے تعارف سے پتا چلتا ہے کہ یہ دراوڑ نسل سے ہیں جو اب معدوم ہو رہی ہے۔ مرکزی کردار خاور جب دریا کا سفر کرتا ہے تو قاری کی دل چسپی اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ سفر وادیٔ سندھ کی تہذیب و ثقافت سے بھی روشناس کرواتا ہے۔ یہاں ہم ایک دلچسپ سفر نامے کا سا لطف محسوس کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اپنی پسندیدہ تکنیک فلیش بیک کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں ماضی میں لے جاتے ہیں۔ خاور شادی شدہ ہے اور تین بیٹیوں کا باپ ہے۔ بیٹیاں بھی اپنے گھر کی ہو چکی ہیں اور بیرونِ ملک مقیم ہیں۔ خاور اپنی بیوی کی وفات کے بعد اسلام آباد کا رخ کرتا ہے اور وہاں سستی زمین خرید کر گھر بناتا ہے۔ اس جگہ پر تعمیرات کی اجازت نہیں ہوتی۔

> "اسلام آباد کے سستے ترین سیکٹرز میں بھی اس کے پر جلتے تھے۔۔ چناں چہ اس نے بھی عقابوں اور سرخابوں کے سائے تلے ندی کے پار پوٹھوہار کی پہاڑیوں کے سائے میں ایک۔۔ اگرچہ ڈرتے ڈرتے گھر بنالیا۔۔ اور اس گھر کو غیر قانونی قرار دے کر اتھارٹی کے بلڈوزر کئی بار ڈھانے کے لیے آئے تھے، مگر آس پاس مقامی ایم این اے کے حواریوں کے بھی گھر تھے۔۔ بیورو کریسی کے خوشہ چینوں کے بنگلے بھی تھے اور ایٹمی سائنس دانوں کے قرابت داروں کی آماجگاہیں تھیں۔۔ اس لیے وہ بلڈوزر حاضری لگوا کر درِ دولت پر جھک کر صرف کارروائی ڈال کر واپس چلے جاتے تھے۔"(۱)

خاور ایک عشرے سے زائد وقت اسی جگہ گزارتا ہے۔ بیٹیوں سے بھی اس کا رابطہ فون پر رہتا ہے۔ پھر ایک دن ایک عورت کی کال آتی ہے۔ وہ خاور سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس نے کالج کے زمانے میں خاور کی پہلی کتاب پڑھی تھی۔ پھر جب اس نے پہلی بار خاور کو ٹیلی ویژن کی سکرین پر دیکھا تھا اُسی دن سے انتظار کر رہی

تھی اس دن کا جب وہ خاور سے ملے گی اور اب پچیس برس بیت چکے ہیں۔ چونکہ خاور ایک مقبول شخصیت تھا اس لیے اسے ایسی کالز آتی رہتی تھیں۔ وہ اس عورت میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا لیکن فون کالز مسلسل آتی رہتی ہیں۔ بار بار ملنے کے اصرار پر وہ ملاقات کی حامی بھر لیتا ہے۔ بالآخر وہ خاور سے ملتی ہے:

"جی کیا۔۔ ڈیم اٹ میں تم سے ملنے آئی ہوں۔۔ اور یونہی سرسری طور پر نہیں۔۔ من کی موج میں مَیں نے آج دس بجے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ تم سے ملا جائے۔۔ پچیس برس کی منصوبہ بندی کے بعد آئی ہوں۔"(۲)

وہ عورت اگرچہ خاور سے کبھی ملی نہیں تھی مگر وہ اس کی ہر بات سے واقف ہوتی ہے۔ ایک بار ملاقات کے دوران وہ خود کو "پاگل خانہ" کہتی ہے۔ اب خاور کے لیے اس کا یہی نام ہے۔ اس کی غلافی آنکھوں میں اکثر آنسو رہتے ہیں۔ خاور جاننا چاہتا ہے کہ اس کا دکھ کیا ہے مگر جان نہیں پاتا۔ وہ جب اس سے پوچھتا ہے تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے ٹالتی رہتی ہے۔ خاور اس سے انسیت محسوس کرتا ہے، دونوں عمر رسیدہ ہیں اور بڑھاپے میں جنس کا پہلو ترجیح نہیں ہوتا۔ غلافی آنکھوں والی بھی بے حد محبت کرتے ہوئے بھی اپنی محبت کو جنس سے پاک رکھنا چاہتی ہے۔ اسی دوران عابدہ سومرو نامی عورت کہانی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ بھی پختہ عمر کی ہے، ایک وڈیرے کی بیوی ہے، وہ بھی کم و بیش غلافی آنکھوں والی جیسی فون کالز کرتی ہے۔ خاور اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے مگر ایسا ہو نہیں پاتا:

"فون تو رب سچے نے ملایا ہے آپ کیسے بند کر دیں گے سائیں۔۔ مجھ حقیر فقیر کو عابدہ سومرو کہتے ہیں۔۔ ایک اچھی شکل کے نوجوان اور ڈیشنگ سندھی وڈیرے کی سندھی منکوحہ ہوں۔۔ ایک بچی ہے میری۔۔ دیہات کے رہنے والے دیہاتی ان پڑھ لوگ ہیں سائیں۔۔ ابھی ادھر کراچی شہر کے ڈیفنس ایریا میں جھگی ڈال کر گزارا کرتے ہیں۔۔ پوسٹل ایڈریس اگر درکار ہے تو عرض کر دیتے ہیں۔۔ ذاتی موبائی بھی حاضر ہے، جو سینے کے ساتھ لگا رہتا ہے کوئی اور نہیں سن سکتا۔۔ اس کے سوا کچھ اور حکم ہو تو وہ بھی بیان کر دیتے ہیں مرشد۔"(۳)

کینسر کے آخری مرحلے میں ہونے کے باعث خاور کے دل میں رحم کا جذبہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اس سے پہلی ملاقات اسلام آباد میں ہی ہوتی ہے۔ وہ ایک اشتہاری ایجنسی کا مشیر ہے اور اس سلسلے میں اسے ہر ہفتے کراچی جانا پڑتا ہے۔ اس طرح ناول کا کینوس کراچی تک پھیل جاتا ہے۔ غلافی آنکھوں والی کو بھی

خاور کی زبانی عابدہ سومرو کے بارے میں سب پتا چلتا رہتا ہے۔ وہ عابدہ سومرو سے ہمدردی رکھتی ہے اور خاور سے کہتی ہے کہ اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔ یہ آدھی ادھوری محبتیں چل رہی ہوتی ہیں کہ ایک تیسری عورت سامنے آتی ہے۔ اس عورت کا نام سلطانہ شاہ ہے اور اس نے امریکہ کی کسی یونیورسٹی سے انتھروپولوجی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ وہ خاور کی تحریریں پڑھتی رہی ہے اور اس کی تخلیقات میں تصورِ مرگ سے خاصی متاثر ہے۔ اس لیے وہ اس سے ملاقات کی خواہاں ہے۔ خاور اس سے ملاقات کرتا ہے اور خاور اس کی نیلی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہونے لگتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ وہ اس کی نیلاہٹ کے جال میں پھنس جائے گا۔ ایسا عابدہ سومرو اور غلافی آنکھوں والی سے ملنے پر بھی نہیں ہوا تھا۔

> "خاور نے صرف اس کی نیلی آنکھوں کو دیکھا، جو بے راہرو، آوارہ اور خانہ بدوش تھیں، کہیں صحراؤں اور ویرانوں میں مقیم تھیں۔۔ بے لگام اور وحشی تھیں۔۔ اور ایک مرتبہ آنکھیں جھپکنے کے تیز اور مختصر ترین وقفے میں خاور کی غیر جانبداری بے اثر ہو گئی۔۔ عابدہ سومرو اور غلافی آنکھوں نے کبھی اس کے پورے وجود پر یوں دھاوا نہیں بولا تھا۔۔ اور اس لمحے اس نے اپنے آپ سے کہا۔۔ ابھی وقت ہے۔۔ تم فرار ہو جاؤ۔۔ بچ نکلو۔۔ کہ زندگی میں پہلی بار تم نیلاہٹ کے اس جال میں الجھ سکتے ہو۔" (۴)

سلطانہ شاہ سے ملاقات سے واپسی پر وہ جان بوجھ کر گاڑی کی رفتار کم کرتا ہے کہ اس کی رفاقت میں کچھ لمحات مزید گزر جائیں۔ ایسے میں وہ پوچھتی ہے کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں۔ یہ سوال حیران کن تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ ڈیڑھ دو ہزار، تب وہ کہتی ہے کہ میرے پاس سات ہزار ہیں اگر تم چاہو تو ہم ساڑھے آٹھ ہزار میں ایک ماہ گزار سکتے ہیں۔ میں تمھارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ خاور ایسا نہیں کر سکتا مگر وہ عورت اس کے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے۔

ان کے ملنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہ ٹیکسلا کے کھنڈرات اور دیگر مقامات کی سیر کرتے ہیں۔ وہ ایک دن اس سے کہتی ہے کہ وہ ایک مہینے کے لیے سری لنکا جا رہی ہے، وہاں سے لوٹنے کے بعد وہ اس سے شادی کر سکتی ہے۔ خاور غلافی آنکھوں والی کو فون کرتا ہے۔ اس کے بیٹے کے ذریعے اسے پتا چلتا ہے کہ وہ مر چکی ہے۔ وہ کینسر کی مریضہ تھی اور اس نے اپنی بیماری گھر کے افراد سے چھپائی ہوئی تھی۔ خاور کو اس خبر سے شدید رنج ہوتا ہے۔ وہ عابدہ سومرو کو سہارا دینے کے لیے کراچی جاتا ہے۔ وہ اس کے فلیٹ میں جاتا ہے مگر عابدہ سومرو سے ملاقات نہیں

ہو پاتی۔ اس کی سہیلی کے ذریعے اسے پتا چلتا ہے کہ عابدہ جسمانی طور پر صحت مند ہے مگر نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹی کے ساتھ امریکہ جا چکی ہے جہاں وہ خوش ہے۔ خاور واپس آ جاتا ہے۔ ایک روز اس کے گھر مسمار کر دیا جاتا ہے کیوں کہ وہ غیر قانونی تھا۔ وہ بمشکل اپنی جان بچا کر دریا کے سفر پر نکلتا ہے۔ وہ سلطانہ شاہ کا منتظر ہوتا ہے اور جس دن اس نے واپس آنا ہوتا ہے اسی روز وہ کشتی پر مردہ حالت میں ملتا ہے۔ دوسری طرف اس کے گھر کے ملبے میں دبے فون پر سلطانہ شاہ کی کال آ رہی ہوتی ہے کہ وہ ائیر پورٹ پہنچ گئی ہے۔ اس طرح ناول کا اختتام ہوتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کی یہ تخلیق ایک موت کی طرف بڑھتے ہوئے وجود کی اُس آخری نفسیاتی اور جذباتی کشمکش کو سامنے لاتی ہے جو زندگی کے آخری لمحات میں عورت کی موجودگی یا اس کی یاد کی صورت میں شعور کی پرتوں پر ابھرتی ہے۔ یہاں عورت صرف رومان یا جمالیات کی علامت نہیں بلکہ زندگی، امید، حیاتِ نو، تسکین، اور ماورائے جسم وجود کی علامت ہے۔ "قربتِ مرگ میں محبت" کے کرادروں میں نسوانی کردار چار ہیں اور چاروں بہت بھرپور ہیں جبکہ مرد کا مرکزی کردار خاور کا ہے جسے قربتِ مرگ میں محبت نہیں ملتی، موت مل جاتی ہے۔

پکھی:

پکھی کا کردار اس ناول کے دیگر کرداروں سے مختصر ہے لیکن اس کے باوجود ایک مکمل کردار ہے۔ مستنصر حسین تارڑ جاندار نسوانی کردار تراشنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی ہنر مندی سے چند لفظوں کے استعمال سے پکھی کی صورت ایک جیتا جاگتا کردار ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ مٹتی ہوئی دراوڑی نسل سے تعلق رکھنے والی پکھی فطرت سے قریب تر دکھائی دیتی ہے:

> "اور ان ڈولتی کشتیوں میں سے ایک ایسی تھی جس کے اندر۔۔ اپنا جھگا نیچا کیے اپنے بچے کو چھپائے دودھ پلاتی ایک عورت تھی، ایک ہانڈی میں بے دلی سے ڈوئی چلاتی بچی تھی اور ان دونوں کو اب صرف اُس کے لیے۔۔ ایک اونچی ناک والے کے لیے۔۔ اس گھر سے بے گھر ہونا تھا۔۔ صرف اس کے دھن کے لیے۔۔ اپنا بوریا بستر سمیٹنا تھا۔۔ چولہا بجھانا تھا۔۔ پچکے ہوئے تام چینی اور سلور کے دھواں لگے برتن اٹھانے تھے۔۔ اور اسے چھاتیوں میں سے بہتے کچے دودھ کی مہک سے خالی کر دینا تھا۔۔ صرف دھن کی خاطر۔۔ کنارے کے کسی چھپر میں جا رہنا تھا اور تب تک رہنا تھا جب تک یہ غیر لوگ کشتی میں

گھوم پھر کے پرندے مار کر واپس نہیں آجاتے۔" (۵)

پکھی خاور کی ادبی حیثیت سے ناواقف ہے، اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ خاور ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ اسے بس اتنا پتا ہے کہ اگر وہ اس آدمی کی فرمانبر داری کرے تو اسے کچھ مالی امداد مل سکتی ہے۔ کیوں کہ وہ تنگدستی میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ نہ تو اس کے عشق میں مبتلا ہے اور نہ کوئی ایسا جھانسا دے کر کچھ پانے کی تمنائی ہے۔ وہ کوئی بد کردار عورت بھی نہیں ہے، نہایت سادہ، غربت زدہ، مگر خود دار عورت، جو خاور سے محبت نہیں کرتی مگر اس کے ساتھ تعلق کو "معاشی بقا" کے امکان کے طور پر دیکھتی ہے۔

غلافی آنکھوں والی (پاگل خانہ):

دراصل یہ ایک بے نام کردار ہے۔ مصنف نے کبھی اسے غلافی آنکھوں والی کہا ہے اور کبھی پاگل خانہ کا نام دیا ہے۔ غلافی آنکھوں والی نے خود کو پاگل خانہ کہا تھا، اسی لیے مصنف اسی نام کو استعمال کرتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے جان بوجھ کر اس کردار کو بے نام رکھا ہے۔ ان کے تخلیق کردہ کردار سو فی صد تخیلاتی نہیں ہوتے۔ وہ اسی معاشرے میں ملنے والے افرادد کو اپنے کرداروں میں ڈھالتے ہیں۔ چناں چہ اس ناول میں موجود تینوں خواتین حقیقی ہیں۔ ایک انٹرویو میں انھوں نے اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> "قربتِ مرگ میں محبت، میں تین خواتین کے کردار ہیں اور یہ کردار سو فی صد اصلی ہیں سلطانہ شاہ اب کینیڈا میں ہے، پاگل خانہ کا نام میں نے نہیں لکھا، کچھ رکھنا بھی پڑتا ہے۔" (۶)

مستنصر حسین تارڑ چاہتے تو اس کردار کو کوئی فرضی نام بھی دے سکتے تھے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ بے نام ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اس کردار کو بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ غلافی آنکھوں والی یا پاگل خانہ شادی شدہ ہے۔ اس کے تین جوان بچے ہیں۔ وہ خاور سے اس وقت رابطہ کرتی ہے جب وہ اپنے آخری بیٹے کی بھی شادی کر کے فارغ ہو جاتی ہے۔ وہ پچیس برس پرانی محبت کی ہر بات بتاتی ہے فقط اپنا نام اور پہچان نہیں بتاتی۔ اسلام آباد کے نواحی علاے بھارہ کہو میں ان کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ وہ بتاتی ہے کہ کالج میں ایم اے انگلش کے آخری سال میں اس نے خاور کی پہلی کتاب پڑھی تھی، پھر جب پہلی بار اسے ٹیلی ویژن پر دیکھا تب سے منتظر تھی کہ کب آخری گرہ اسے آزاد کرے اور وہ خاور کو فون کرے۔ اس طرح پچیس برس بیت گئے۔ اس کا خیال تھا کہ ٹین ایج کرش گزر جائے گا مگر نہیں گزرا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مرزا صاحب کے بچوں کی شادیاں کر کے وہ

اپنی مرضی کرے گی۔

"کالج کے دنوں میں جب تمہاری پہلی کتاب پڑھی، تمہیں پہلی بار ٹیلی ویژن پر باتیں کرتے دیکھا۔۔ اور تم اصلی زندگی میں اتنے غصیلے اور ڈرادینے والے نہیں لگتے۔۔ تو تب سے۔۔ میرا خیال تھا کہ یہ ٹین ایج کرش ہے، گزر جائے گا۔۔ لیکن نہیں گزرا۔۔ پرورش پاتا رہا اور جڑیں پھیلاتا مضبوط ہوتا رہا۔۔ تب مجھ میں ہمت نہ تھی تم سے رابطہ کرنے کی۔۔ شادی کے بعد بھی اس حماقت انگیز لگاؤ میں کوئی کمی نہ ہوئی۔۔ میرے بچے بھی جانتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر تمہارا کوئی پروگرام چل رہا ہو تو ممی کیسے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاتی ہیں، چپک جاتی ہیں۔"(۷)

وہ پچیس برس سے سنبھال کر رکھی گئی اس محبت کی تلاش میں تھی جسے وہ ہر حال میں پانا چاہتی تھی خواہ وہ اسے قربتِ مرگ میں ملے لیکن اسے خاور سے وہ ردِ عمل نہیں ملتا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔ وہ کینسر جیسے موذی مرض کا شکار تھی مگر وہ کسی کو اس بارے میں نہیں بتاتی۔ خاور بھی اس کی بیماری سے لاعلم تھا۔ کہانی کے آخر میں پتا چلتا ہے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ یہ کردار سب سے زیادہ پُراسرار اور گہرا ہے۔ وہ عورت جو پچیس برس پرانی محبت کو سنبھالے بیٹھی ہے، خاور سے رابطہ کرتی ہے مگر اپنی پہچان اور مرض چھپائے رکھتی ہے۔ اس کی محبت جسم سے ماورا ہے۔ مستنصر حسین کا یہ کردار ایک جیتا جاگتا کردار ہے جو محض ایک عام انسان نہیں ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ عورت تھی، ایک بھرپور زندگی گزار کر مر جاتی لیکن وہ مرنے سے پہلے اپنی عمر بھر کی تمنا کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ یہ چیز بھی اس کردار کو منفرد بناتی ہے۔

عابدہ سومرو:

یہ ایک گنجلک کردار ہے۔ عابدہ سومرو ایک سندھی وڈیرے کی بیوی ہے اور یہ خاندان سیاسی طور پر بھی ایک مضبوط گھرانہ ہے۔ عابدہ سومرو کئی نفسیاتی عارضوں میں بھی مبتلا ہے۔ وہ اس نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے کہ اسے آخری سٹیج کا کینسر ہے اور چند دن سے زیادہ جی نہیں سکے گی۔ اسے ایک عام جلدی بیماری تھی جسے بنیاد بنا کر وہ خاور کی ہمدردی حاصل کرتی ہے۔ وہ ادبی ذوق بھی رکھتی ہے۔ اکثر گفتگو میں وہ اشعار کے حوالے دیتی ہے۔ خاور کو اپنے حربوں سے اپنی طرف مائل کر لیتی ہے لیکن وہ دغاباز نہیں ہے وہ اپنے خواب پورے کرنا چاہتی ہے۔ اس کا تعلق جس ماحول سے دکھایا گیا ہے وہاں مرد دن رات اپنی دولت بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں، سیاسی گٹھ جوڑ بھی

اصولوں سے زیادہ اپنی طاقت اور اثاثے بڑھانے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ وہاں ایک ایسی عورت جو حساس ہو اور پڑھی لکھی بھی ہو، محبت اور توجہ کی کمی اس کے رویے میں اس طرح کی تبدیلیاں کر سکتی ہے۔ عابدہ سومرو کا راز آخر میں کھلتا ہے جب اس کی ایک سہیلی اس کے بارے میں خاور کو بتاتی ہے:

> "وہ طرح طرح کی خوفناک بیماریوں کا شکار ہے۔۔ مر رہی ہے اور کوئی اس سے محبت نہیں کرتا، پرواہ نہیں کرتا۔۔ یہ اس کے نفسیاتی عارضے ہیں جن سے میں بخوبی واقف ہوں۔۔ کیا آپ کو بھی اس نے اپنی کسی عزیز ترین سہیلی کی موت کے بارے میں بتایا تھا۔۔ بتایا ہو گا۔۔ وہ میں ہوں۔۔ میرا کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا لیکن وہ ایک مکمل وارفتگی میں چلی جاتی ہے اور یقین کر لیتی ہے کہ ایسا ہو گیا ہے۔۔ میری لاش کو دیکھتی ہے، اس پر رو رو کر ہلکان ہو جاتی ہے، شدتِ غم سے بیمار پڑ جاتی ہے۔۔ بے ہوش ہو جاتی ہے۔۔ مجھے دفن کر آتی ہے۔۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی تفصیل بتاتی ہے جن سے وہ کبھی ملی بھی نہیں ہوتی۔"(۸)

عابدہ سومرو ایک جاگیر دار کی بیوی ہونے کے باوجود عدم توجہ، محبت کی محرومی اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اس کردار کے ذریعے ایسی عورت کی عکاسی کی ہے جو ایک مخصوص خول میں بند ہو کر اندر سے بکھر چکی ہے۔

سلطانہ شاہ:

سلطانہ شاہ بلوچستان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ایک ذہین طالبہ رہی ہے، وہ ایم اے اکنامکس میں صوبے میں ٹاپ کرتی ہے اس کے بعد سکالر شپ پر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے امریکہ جاتی ہے۔ ایک تو وہ پڑھی لکھی خاتون ہے اور پھر وہ امریکہ کے آزاد ماحول میں رہتی ہے چناں چہ بلوچی معاشرہ اسے رہنے کے قابل نہیں لگتا۔ ظاہر ہے ایک گھٹن زدہ اور پابندیوں سے بھرپور ماحول میں زندگی گزارنا بہت مشکل ہے اور وہ تو امریکہ کے آزاد خیال ماحول کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے ایک کزن سے محبت بھی کرتی تھی، اسے معلوم تھا کہ وہ کزن اس کا منتظر ہے لیکن وہ لوٹنا نہیں چاہتی۔ اس لڑکے کی منگنی سلطانہ کی چھوٹی بہن سے کر دی جاتی ہے اور وہ شادی سے محض ایک روز قبل داتا دربار پر ایک جھگڑے میں مارا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سلطانہ شاہ امریکہ کے آزاد ماحول کو پوری طرح اپنا چکی ہوتی ہے۔ مختصر کپڑے پہننا اور شراب پینا اس کے لیے معمول کی بات ہے۔

"میں نے بھی اس معاشرے کو جاننے اور سمجھنے کی سعی کی۔۔ لیکن اپنے آپ کو ایک ریسرچ سکالر کی طرح الگ تھلگ ہو کر یہ مشاہدہ نہ کیا بلکہ آہستہ آہستہ میں ایک غیر محسوس طریقے سے اس معاشرے کے دھارے میں شامل ہو گئی یہاں تک کہ اس بہاؤ میں بے اختیار بہنے لگی۔"(۹)

ایک رات کثرتِ شراب نوشی کے بعد نیم برہنہ حالت میں اسے ایک ایرانی ٹیکسی ڈرائیور فلیٹ تک چھوڑنے آتا ہے۔ وہ شراب کے نشے میں اس سے نازیبا گفتگو کرتی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کی حالت کو سمجھتے ہوئے تحمل اور برداشت سے کام لیتا ہے۔ اسے سسٹر کہہ کر مخاطب کرتا ہے لیکن وہ سسٹر کہنے پر بے حد نارض ہوتی ہے اور اس کی بے عزتی کرتی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کے باوجود اس کے لڑکھڑاتے وجود کو سہارا دے کر بستر تک پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ سسٹر تمھیں آرام کی ضرورت ہے، تم جو کچھ کر رہی ہو یہ زندگی نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ پھر مجھے بتاؤ کہ زندگی کیا ہے۔ وہ قہقہے لگانے لگتی ہے۔ ڈرائیور کہتا ہے کہ ڈرنک ہو کر تو کوئی بھی ہنس سکتا ہے۔ مزا تو تب ہے کہ تم نے شراب نہ پی ہو اور پھر بھی تم ہنسو۔ یہ زندگی ہے۔ اس دن سے وہ شراب ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔

سلطانہ شاہ کی توجہ موت کی حقیقت جاننے کی طرف ہوتی ہے۔ خاور کی کتابوں میں تصورِ مرگ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ خاور سے ملے۔ اور خاور اس کی نیلی آنکھوں کا اسیر ہو جاتا ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ ایک ماہ کے لیے وہ سری لنکا جا رہی ہے اور واپسی پر اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ غلافی آنکھوں والی مر چکی تھی، عابدہ سومرو امریکہ جا چکی تھی اب خاور کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا، سلطانہ شاہ کا انتظار۔ مسمار شدہ ملبے میں دبے فون کی گھنٹی بجتی ہے، سلطانہ شاہ اپنی واپسی کی اطلاع دینا چاہتی ہے اور خاور جو اپنے دریائی سفر پر تھا اور اب واپس آنے کا ارادہ کر چکا تھا، اپنی کشتی میں مردہ پایا جاتا ہے۔

"قربتِ مرگ میں محبت" کی عورتیں مرد کردار کے گرد نہیں گھومتیں، بلکہ خود محور بن جاتی ہیں۔ ان کی محبت جنسی تعلق پر مبنی نہیں بلکہ احساس، فہم اور فطری کشش کی آئینہ دار ہے۔ یہ کردار مستنصر حسین تارڑ کی فکری بالیدگی اور نسوانی نفسیات کی گہری تفہیم کا ثبوت ہیں۔ ناول میں عورت، محبت کا، وجود کا، اور زندگی کے اس پار جھانکنے کی خواہش کا صرف ایک موضوع نہیں، بلکہ ایک مکمل فلسفہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ (بہاؤ، راکھ، قربتِ مرگ میں محبت)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۸۷

۲۔ ایضاً، ص: ۴۶۷

۳۔ ایضاً، ص: ۸۰۱

۴۔ ایضاً، ص: ۸۸۶

۵۔ ایضاً، ص: ۶۸۵

۶۔ مستنصر حسین تارڑ، انٹرویو بمقام لاہور، بتاریخ ۶ جون ۲۰۲۵ء

۷۔ مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ (بہاؤ، راکھ، قربتِ مرگ میں محبت)، ص: ۵۵۷

۸۔ ایضاً، ص: ۹۳۷

۹۔ ایضاً، ص: ۹۱۰